ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-15

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

محمد علی احمر

ایم فل (اردو) اسکالر، شعبہ اُردو، مسلم یوتھ یونیورسٹی، اسلام آباد۔

ڈاکٹر مستنصر حسین جامی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، مسلم یوتھ یونیورسٹی، اسلام آباد۔

اردو ناول اور مستقبل کا سماجی ڈھانچہ

Muhammad Ali Ahmar*
M. Phil (Urdu) Scholar, Muslim Youth University, Islamabad.
Dr. Mustansar Hussain Jami
Assistant Professor, Department of Urdu, Muslim Youth University, Islamabad.
***Corresponding Author:**

Urdu Novel and Social Structure of the Future

The beginnings of futurism in Urdu literature can be traced back to the late nineteenth and early twentieth centuries, when stories like Ruqia Sakhawat Hussain's "Sultana Ka Khaab" and Shaukat Thanvi's "Marikh Ki Seer" emerged. To understand the social structure of the future, it is essential to understand two basic intellectual attitudes, namely utopia and dystopia. Utopia is the concept of an ideal, balanced, and peaceful society where injustice, poverty, and gender discrimination have been eliminated. In contrast, dystopia is the antithesis of a world dominated by chaos, despair, social violence, and decline. Although these terms originated in the Western intellectual tradition, Urdu novelists have adapted these concepts in the light of local society. In the tradition of Urdu fiction, while novels like “Marikh Ki Seer” and Ruqia Sakhawat Hussain’s “Sultana Ka Khaab” offer glimpses of a utopian society (where women rule and peaceful scientific progress are idealized), the future structure presented by modern-day novelists is largely dystopian (dark and oppressive). Shaukat Siddiqui’s novels “Khuda Ki Basti” and

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-15

ماخذ تحقیقی مجلہ

"Janglos" are the worst examples of economic oppression and political imbalance.

Key Words: *Urdu Literature, Novel, Future, Utopia, Dystopia, Futurism, Fiction, Technology, Colonial and Post Colonial era, Society, Comparison.*

تمہید، پس منظر اور فکری بنیادیں

ادب انسانی سوسائٹی کے عروج و زوال، فکری تبدیلیوں، اور نفسیاتی و سیاسی تغیرات کا عکاس ہوتا ہے۔ جہاں تاریخ ماضی کو سنبھالتی ہے اور حال موجودہ خلفشار کو بیان کرتا ہے، وہاں فکری نوعیت کا بلند پایہ ادب مستقبل کے منظر نامے کی تشکیل بھی کرتا ہے۔ اردو فکشن اور خصوصاً ناول نگاری نے ہمیشہ اپنے دور کے سماجی تانے بانے کو گرفت میں لینے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ تاہم "مستقبل بینی (Futurism)"، یوٹوپیا (Utopia) اور ڈسٹوپیا (Dystopia) جیسے رجحانات اردو ناول میں بیسویں صدی کے وسط اور اکیسویں صدی کے آغاز میں ایک مربوط فکری بیانیے کے طور پر ابھرے۔

لفظ "ناول" لاطینی زبان کے لفظ "Novellus" سے ماخوذ ہے جس کا مطلب "نیا" ہے۔ یہ ایک ایسی نثری صنف ہے جو زندگی کے مختلف پہلوؤں مثلاً سماجی، نفسیاتی، سیاسی، تہذیبی اور فکری کو کرداروں اور واقعات کے ذریعے ایک مسلسل بیانیے میں پیش کرتی ہے۔ ادبی تخلیق نہ صرف حال کی تصویر پیش کرتی ہے بلکہ ماضی سے سیکھ کر مستقبل کی جھلک بھی دکھاتی ہے۔ اردو ناول میں مستقبل کے سماجی ڈھانچے کی تصویر کشی محض ایک سائنسی تخیل یا مافوق الفطرت اڑان نہیں ہے، بلکہ یہ موجودہ معاشرتی، طبقاتی، سیاسی، اور اخلاقی انحطاط کا منطقی نتیجہ دکھانے کی ایک شعوری کاوش ہے۔ جب ایک ناول نگار اپنے عہد میں اخلاقی دیوالیہ پن، سیاسی عدم توازن، اور تکنیکی ترقی کے بے ہنگم پھیلاؤ کو دیکھتا ہے تو وہ مستقبل کے ایسے سماجی ڈھانچے کی پیش گوئی کرتا ہے جہاں یا تو انسانیت اپنی معراج پر پہنچ چکی ہوتی ہے (جسے ہم عرف عام میں یوٹوپیا کہتے ہیں) یا پھر وہ کسی سرمایہ دارانہ، آمرانہ یا تکنیکی جبر تلے کچلی جا چکی ہوتی ہے (جسے ڈسٹوپیا کے نام سے ماخوذ کیا جاتا ہے)۔ ذیل میں ہم اردو ناول میں مستقبل کے سماجی ڈھانچے کی ان فکری کڑیوں کو واضح کریں گے جنہیں اردو کے مایہ ناز ناول نگاروں نے موضوع بنایا ہے۔

مستقبل بینی کا تاریخی و تنقیدی ارتقا

اردو ادب میں مستقبل بینی کے آغاز کا سراغ انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے اوائل میں ملتا ہے جہاں رقیہ سخاوت حسین کا "سلطانہ کا خواب" اور شوکت تھانوی کا "مریخ کی سیر" جیسے قصے سامنے آئے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-15

ماخذ تحقیقی مجلہ

موخر الذکر ناول اگرچہ بنیادی طور پر بچوں کے لیے لکھا گیا تھا مگر اس میں مستقبل بینی کے ابتدائی نقوش موجود تھے۔ ناول کی ابتدا ہی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے:

> "آج ۷ دسمبر ۱۹۵۷ کو ۷ دسمبر ۲۰۵۷ سمجھ کر میری آج کی ڈائری پڑھو کہ صبح کو جب میری آنکھ کھلی تو مجھے معلوم ہوا کہ مریخ یونیورسٹی سے میرے دونوں بچے چھٹیاں منانے آئے ہوئے ہیں۔ میں نے فوراً ان دونوں کو بلایا۔ ان کے ساتھ ایک مریخی دوست بھی آیا ہوا تھا۔ میں اس کو دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ ایک مریخی باشندہ ہے۔ اس لیے کہ اس کا تمام جسم مچھلی کے جسم کی طرح تھا اور سر بھی اس دنیا کے باشندوں سے الگ بندر اور بلی کی طرز کا تھا"(۱)

ارتقائی سفر کے لحاظ سے اردو ناول میں مستقبل کا تصور تین واضح ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

- **پہلا دور (اصلاحی و سماجی رجحانات: ۱۸۸۰ سے ۱۹۴۷ تک)**

اس دور میں ڈپٹی نذیر احمد اور ان کے معاصرین کے ہاں مستقبل کا تصور ایک ایسے صالح اور تعلیم یافتہ معاشرے کی تعمیر سے جڑا تھا جو نو آبادیاتی جبر کے ماحول میں اپنی بقا قائم رکھ سکے۔ معروف نقاد اور تاریخ دان علی عباس حسینی اپنی کتاب "اردو ناول کی تاریخ اور تنقید" میں ان عوامل کو کچھ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> "مولانا نذیر احمد نے اپنے ناولوں میں جو نظریہ تعلیم پیش کیا ہے اس میں صحیح طرح کی تربیت، صحبت ارزال سے پرہیز، اطاعت والدین اور اطاعت خدا پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ چنانچہ بچوں کی تربیت کے متعلق ان کے خیالات "مراۃ العروس" اور "توبتہ النصوح" دونوں کتابوں میں واضح طور پر موجود ہیں"(۲)

- **دوسرا دور (شناخت اور تقسیم: ۱۹۴۷ سے ۱۹۸۰ تک)**

اس دور میں تقسیمِ ہند کے ہولناک فسادات، ہجرت کے دکھ اور سیاسی عدم استحکام نے فکشن نگاروں کے تخیل کو متاثر کیا۔ مستقبل کا سماجی ڈھانچہ اب ایک الجھے ہوئے وجودی بحران کی شکل اختیار کر رہا تھا جس کی جھلکیاں سعادت حسن منٹو، قراۃ العین حیدر اور انتظار حسین کے تاریخی و تہذیبی شعور میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ سعادت حسن منٹو اپنے خاکے "مرلی کی دھن" میں لکھتے ہیں:

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-15

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہندوستان آزاد ہو گیا تھا۔ پاکستان عالم وجود میں آتے ہی آزاد ہو گیا تھا لیکن انسان ان دونوں مملکتوں میں غلام تھا۔ تعصب کا غلام۔۔۔ مذہبی جنون کا غلام۔ حیوانیت و بربریت کا غلام"(۳)

- **تیسرا دور (جدیدیت، مابعد جدیدیت اور سائنسی دنیا: ۱۹۸۰ تا حال)**

یہ وہ دور ہے جہاں عالمگیر سرمایہ داری، ایٹمی ہتھیاروں کی دوڑ، کمپیوٹر اور ٹیکنالوجی کی آمد، اور اخلاقی اقدار کے زوال نے ناول نگاروں کو مجبور کیا کہ وہ مستقبل کے سماج کا ایک مربوط اور اکثر ڈسٹوپیائی خاکہ تیار کریں۔ مشرف عالم ذوقی اپنے ناول "مرگ انبوہ" میں ان عوامل کو کچھ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"میں ایک ۲۰ سال کا ۲۰۲۰ کا نوجوان ہوں اور مجھے مرنے والوں سے کوئی ہمدردی نہیں۔۔۔ لیکن یہ چند سطور لکھتے ہوئے ڈیڈ ایک بار پھر میری آنکھوں کے سامنے آ گئے ہیں۔۔۔ اور ان کی یہ تحریر۔۔۔ کہ دیکھو تو۔۔۔ مرنے کے بعد بھی میں نے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑا۔۔۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہ کہنے سے بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔ اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت یہ سطور لکھتے ہوئے وہ میرے اندر یا تو ہیں ہی نہیں۔۔۔ یا ہیں تو برائے نام"(۴)

یوٹوپیا اور ڈسٹوپیا کا فلسفہ اور عالمی ادبی روابط

مستقبل کے سماجی ڈھانچے کو سمجھنے کے لیے دو بنیادی فکری رویوں یعنی یوٹوپیا اور ڈسٹوپیا کو جاننا ناگزیر ہے۔ یوٹوپیا ایک ایسے مثالی، متوازن، اور پرامن سماج کا تصور ہے جہاں ناانصافی، غریبی، اور صنفی امتیاز کا خاتمہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس، ڈسٹوپیا اس دنیا کی ضد ہے جس پر افراتفری، مایوسی، معاشرتی تشدد اور زوال کا غلبہ ہو۔ اگرچہ ان اصطلاحات کا آغاز مغربی فکری روایت میں ہوا، مگر اردو ناول نگاروں نے ان تصورات کو مقامی سماج کی روشنی میں اخذ کیا ہے۔

اردو فکشن کی روایت میں جہاں "مریخ کی سیر" اور رقیہ سخاوت حسین کے "سلطانہ کا خواب" جیسے ناولوں میں یوٹوپیائی سماج کی جھلکیاں ملتی ہیں (جہاں خواتین کی حکمرانی اور پرامن سائنسی ترقی کا مثالی نقشہ کھینچا گیا)، وہاں جدید دور کے ناول نگاروں نے مستقبل کا جو ڈھانچہ پیش کیا ہے، وہ بڑی حد تک ڈسٹوپیائی (تاریک اور جبر پر مبنی) ہے۔ شوکت صدیقی کا ناول "خدا کی بستی" اور "جانگلوس" معاشی جبر اور سیاسی عدم توازن کی بدترین مثالیں ہیں۔ اسی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-15

ماخذ تحقیقی مجلہ

طرح حفیظ خان کے ناول "کرکناتھ" کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں انسانی اقدار کے زوال کو بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ عبداللہ حسین اپنے ناول "اداس نسلیں" میں ایسے معاشرتی و تاریخی ڈسٹوپیا کو پیش کرتے ہیں جہاں شناخت کا بحران اور زوال غالب ہے۔ عالمی سطح پر یہ فکری روابط جارج اورویل(George Orwell) ، آلڈس ہکسلے(Aldous Huxley) اور آرتھر۔ سی۔ کلارک(Arthur Charles Clark) جیسے مغربی نقادوں اور مصنفین کے فکری ڈھانچے سے جڑتے ہیں، جن کا عکس اردو کے جدید فکشن میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

مستقبل کا سماجی ڈھانچہ اور طبقاتی جبر (صفدر زیدی کے ناول "بھاگ بھری" کا تنقیدی جائزہ)

صفدر زیدی کا ناول "بھاگ بھری" مستقبل کے ایک ایسے سماجی ڈھانچے کی ہولناک تصویر کشی کرتا ہے جو معاشی بدحالی، طبقاتی تقسیم اور صنفی عدم مساوات کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔ ناول کا خلاصہ بظاہر ایک خاندان کی کہانی معلوم ہوتا ہے، مگر در حقیقت یہ پورے معاشرے کی شکست و ریخت، اخلاقی زوال اور انسانی بے بسی کی داستان ہے۔ صفدر زیدی نے اس ناول میں ایک ایسی فضا تخلیق کی ہے جہاں امید اور محرومی، خواب اور شکست، تقدیر اور اختیار، سب ایک دوسرے سے الجھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ عنوان ہی اپنے اندر ایک گہرا طنز لیے ہوئے ہے، "بھاگ بھری" یعنی خوش نصیب، مگر کہانی کے حالات اس خوش نصیبی کو مسلسل چیلنج کرتے ہیں۔

مصنف نے دکھایا ہے کہ مستقبل کا سماج معاشی طور پر دو حصوں میں بٹا ہوا ہو گا، ایک انتہائی طاقتور جاگیر دارانہ و سرمایہ دارانہ اشرافیہ اور دوسرا کچلا ہوا مظلوم طبقہ۔ اس سماج میں خاندانی اور اخلاقی اقدار مکمل طور پر دیوالیہ ہو چکی ہوں گی۔ جب کسی معاشرے سے عدل و انصاف رخصت ہو جاتا ہے، تو اخلاقی ضابطوں کی جگہ طاقت کا وحشیانہ قانون لے لیتا ہے۔ ناول میں جاگیر دارانہ ذہنیت اور انسانی تذلیل کا یہ منظر لفظ بہ لفظ یوں درج ہے:

> "دور کر دو اس حرام زادے پلید نسل کو! اس کو مویشیوں کے باڑے میں جانوروں کے ساتھ باندھ دو! اس خبیث کو تین دن کے کھانے پینے کے بغیر باندھ کر رکھنا! تاکہ اس کے کان کھل جائیں اور حکم عدولی اس کے خون سے نکل جائے"(۵)

یہ اقتباس اس مستقبل کے سماجی رویے کی عکاسی کرتا ہے جہاں کمزور انسان کی حیثیت جانوروں سے بھی بدتر کر دی گئی ہے۔ مستقبل کا یہ ڈھانچہ اخلاقی طور پر اتنا گرا ہوا ہے کہ وہاں طاقتور طبقہ اچھوت اور صنفِ نازک کے حقوق کو پیروں تلے روندنا اپنا حق سمجھتا ہے۔ سماجی بگاڑ اور تہذیبی گراوٹ کا ایک اور دلدوز نمونہ ناول میں اس طرح بیان ہوا ہے:

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-15

ماخذ تحقیقی مجلہ

"وڈیرے کے چھوٹے بھائی جعفر شاہ کی آنکھیں ہر وقت اس پر ٹکی رہتی تھیں۔ ایک روز وہ اصطبل میں گھوڑوں کی لید کو ہاتھ گاڑی میں بھر رہی تھی کہ وڈیرے نے اسے ایک درندے کی طرح جھنجوڑ کر اپنی ہوس مٹاڈالی۔ یوں تو وہ اچھوت تھی اس کو چھونا منع تھا لیکن کچھ دیر کے لیے وہ اچھوت نہ رہی تھی"(۶)

مستقبل کا یہ سماجی ڈھانچہ جارج اورویل کے مشہور ناول "۱۹۸۴" کے "بڑا بھائی" (Big Brother) والے تصور سے مماثلت رکھتا ہے، جہاں خوف کو ایک نفسیاتی کیفیت کے بجائے ایک باقاعدہ ریاستی و سماجی نظام بنا دیا جاتا ہے۔ عوام پر کڑی نگرانی اور ان کی آزادی کا سلب ہونا مستقبل کے معاشرے کا مقدر دکھایا گیا ہے۔ ناول میں ایک جگہ مصنف لکھتا ہے:

"یہ پوسٹر اس قسم کی تصویروں میں سے تھا جنھیں دیکھنے والا چلتے ہوئے محسوس کرتا ہے کہ تصویر کی آنکھیں اس کے ساتھ ساتھ چل رہی ہیں۔ پوسٹر کے نیچے لکھا ہوا تھا "بڑا بھائی دیکھ رہا ہے"(۷)

وجودی بحران اور سماجی اداروں کا انہدام

ڈسٹوپیا کی ایک بنیادی علامت سماجی اداروں کا انہدام ہے۔ خاندان، تعلیم، مذہب، ریاست اور قانون سب اپنی اخلاقی حیثیت کھو دیتے ہیں۔ "بھاگ بھری" میں بھی یہی صورت حال سامنے آتی ہے۔ صفدر زیدی نے اپنے ناول میں پاکستانی معاشرت کے ان پہلوؤں کو نشانہ بنایا ہے جہاں انسانیت دم توڑ رہی ہے اور طاقت کا بے جا استعمال روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔

اس سماج میں فرد نہ صرف معاشی اور سیاسی بحران سے دوچار ہے بلکہ فکری، اخلاقی اور روحانی زوال کا بھی شکار ہے۔ انسان وجودی سطح پر بے سمت ہو چکا ہے اور اس کی زندگی محض بقا کی جدوجہد بن کر رہ گئی ہے، جہاں نہ کوئی بلند مقصد باقی ہے اور نہ کوئی اخلاقی سمت۔ یہ بیانیہ اس تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان اب صرف جینے کے لیے نہیں بلکہ کسی نہ کسی صورت مرنے کے لیے زندہ ہے، چاہے وہ جسمانی موت ہو، اخلاقی موت ہو یا روحانی موت۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-15

ماخذ تحقیقی مجلہ

ماحولیاتی بگاڑ اور جیو-پولیٹیکل (سیاسی و جغرافیائی) تبدیلیاں

مستقبل کے سماجی ڈھانچے کی تباہی صرف داخلی اخلاقیات تک محدود نہیں، بلکہ اس کا گہرا تعلق بیرونی دنیا، جنگی جنون اور ماحولیاتی بگاڑ سے بھی ہے۔ صفدر زیدی نے اپنے فکشن میں جس ڈسٹوپیائی منظر نامے کی بنیاد رکھی ہے، اس میں واضح کیا گیا ہے کہ انسان کی اپنی ہوس اور جنگی جنون فطرت کے توازن کو بگاڑ کر رکھ دیں گے۔ جب ہوا، پانی اور مٹی آلودہ ہو جائیں گے، تو زندگی کا تسلسل برقرار رکھنا ناممکن ہو جائے گا۔ مصنف اس خاموش تباہی اور مستقبل کے جیو-پولیٹیکل ڈھانچے کا نوحہ ان الفاظ میں پڑھتے ہیں:

> "ملک کے سیلابی علاقوں سے مواصلات کے تمام رابطے کٹ چکے تھے۔۔۔ حکومت ہند و پاکستان نے ایک تاریخی اعلان کے ذریعے دونوں ملکوں کے شہریوں کو ایک دوسرے ملک میں آنے جانے کے لئے پاسپورٹ اور ویزے جاری کر دیا تھا۔۔۔ سیلاب سے متاثر ہونے والے ممالک کے لیے تن تنہا اس آفت سے نبٹنا ممکن نہ تھا اور ان کے پاس عالمی برادری کو مدد کے لیے پکارنے کے سوا چارہ نہ تھا۔۔۔ اقوام متحدہ ایک بڑے پیمانے پر امدادی مہم شروع کرنے کے لیے تیار تھی لیکن عالمی طاقتوں نے انڈیا اور پاکستان پر ایٹمی ہتھیار بنانے کی صلاحیتیں ختم کرنے اور ایٹمی وار ہیڈز کو تلف کرنے کی پیشگی شرط عائد کر دی تھی۔ تباہی کے دہانے پر کھڑے ان دونوں ممالک کے پاس ایٹمی صلاحیتوں سے دستبرداری کے سوا کوئی چارہ نہ تھا"(۸)

اس سیاسی و سماجی بدلاؤ کی انتہا یہ دکھائی گئی ہے کہ مصنف نے ناول کی شروعات ہی انگلستان میں سن ۳۰۰۰ عیسوی سے کی ہے۔ اس دور کا منظر نامہ اس ڈسٹوپیائی حقیقت کی عکاسی کرتا ہے جہاں زمین بانجھ اور تہذیبی نشانات مٹ چکے ہیں۔ یہ بیانیہ اسی تہذیبی جلاوطنی اور ایک معدوم ہو جانے والی قوم کے ورثے کو پردیس میں محفوظ کرنے کی حسرت ناک کوشش کو ظاہر کرتا ہے:

> "بین الاقوامی انجینئرز اور ماہرین ہنر مندوں کی ایک ٹیم نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا تھا۔ ان کی انتھک محنت اور قربانیوں کے نتیجے میں محبت کی علامت "تاج محل" دریائے ٹیمز کے کنارے اتنے ہی باوقار طریقے سے ایستادہ تھا جیسے وہ کبھی دریائے جمنا کے کنارے براجمان اپنی خوبصورتی سے چاندنی کو شرمایا کرتا تھا"(۹)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-15

ماخذ تحقیقی مجلہ

تکنیکی ترقی، مشینی زندگی اور انسانی تنہائی (شوکت تھانوی کے ناول "مریخ کی سیر" کا تجزیاتی مطالعہ)

مستقبل کے سماجی ڈھانچے کا دوسرا رخ شوکت تھانوی نے اپنے طنزیہ اور سائنسی ناول "مریخ کی سیر" میں پیش کیا ہے۔ اگرچہ یہ ناول بظاہر شگفتہ اور مزاحیہ اسلوب رکھتا ہے، مگر اس کے پردے کے پیچھے ایک گہرا ڈسٹوپیائی اندیشہ اور مشینی معاشرے پر سخت تنقید چھپی ہوئی ہے۔

ناول میں پیش کیا گیا مستقبل کا سماج مادی اور سائنسی لحاظ سے انتہائی ترقی یافتہ ہے جہاں زندگی کو انتہائی منظم کر دیا گیا ہے۔ خوراک، لباس، رہائش، اور نقل و حمل کے روایتی مسائل حل ہو چکے ہیں اور بیماریوں کا علاج سائنسی اصولوں کے تحت ممکن بنا دیا گیا ہے۔ لیکن اس بے پناہ نظم و ضبط اور تکنیکی یلغار کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ انسانی تعلقات میں سرد مہری اور بے روحی در آئی ہے۔ لوگ جذبات کے بجائے اصولوں کے تحت زندگی گزار رہے ہیں۔ محبت، ہمدردی اور قربانی جیسے فطری احساسات کو غیر ضروری اور فضول سمجھا جاتا ہے۔

مصنف کا زاویہ نگاہ اعتدال پسندانہ ہے، وہ ٹیکنالوجی کے مخالف نہیں ہیں، بلکہ ان کا اعتراض اس مشینی رویے پر ہے جو انسان سے اس کی اخلاقی بنیادیں چھین لیتا ہے۔ آج کی دنیا میں بڑی طاقتیں جدید سائنس اور ہتھیاروں کے ذریعے دوسروں پر برتری حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس وجہ سے سائنس انسانیت کے فائدے کے بجائے بعض اوقات خوف اور عدم استحکام کا سبب بھی بن جاتی ہے۔ مصنف دراصل یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ حقیقی ترقی وہی ہے جس میں علم کے ساتھ اخلاق اور ذمہ داری بھی شامل ہو۔ وہ ناول میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> "اور یہ واقعہ ہے کہ ہماری دنیا کے ماہرین سائنسدانوں نے اتنی ترقی کر لی ہوتی تو آج ان میں سے ہر سائنسدان خدا بن کر بیٹھ جاتا مگر مریخ کے یہ باکمال سائنسدان اپنی ان ترقیوں کے باوجود یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی تک ابتدائی منزلیں طے نہیں کیں"(۱۰)

یہ بیانیہ اس تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر سائنسی ایجادات اور عالمی سیاست کے پیچھے کوئی اخلاقی اور انسانی جذبہ کارفرما نہ ہو، تو تمدن کا بکھراؤ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ مستقبل کا سماجی ڈھانچہ ایک ایسا کھلا سوال بن جاتا ہے جہاں قاری کو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کیا یہ ٹیکنالوجیکل ترقی ایک نعمت ہے یا انسان کو اپنی ہی ایجادات کا غلام بنا دینے والی ایک نئی قید؟

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-15

ماخذ تحقیقی مجلہ

مستقبل کے سماج میں فرد اور نظام کی کشمکش

اردو ناولوں میں مستقبل بینی کا ایک اہم پہلو فرد اور ریاستی یا سماجی نظام (System) کے درمیان برپا ہونے والی لامتناہی کشمکش ہے۔ جاگیر دارانہ جبر کا نظام ہو یا سائنسی میکانیت کا خود کار ضابطہ، دونوں صورتوں میں عام انسان بے بس دکھائی دیتا ہے۔ کردار اپنی قسمت بدلنے کے لیے جدوجہد تو کرتے ہیں، مگر ان کے ہاتھ بندھے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ترقی اور تبدیلی کے بلند بانگ دعوے موجود ہونے کے باوجود عملی سطح پر کچھ نہیں بدلتا، اور یہی تضاد فکشن کو ایک گہرا ڈسٹوپیائی رنگ دیتا ہے۔

اس نو آبادیاتی یا مابعد نو آبادیاتی نظام میں کوئی کردار نظام کا سرگرم نمائندہ بن جاتا ہے تو کوئی اس کا بے زبان شکار۔ خوف محض ایک وقتی احساس نہیں رہتا بلکہ وہ ایک غیر مرئی حکومت کی صورت اختیار کر لیتا ہے جو انسان کو سوچنے، بولنے اور مزاحمت کرنے سے روک دیتی ہے۔ تاہم، ان تاریک ترین ڈسٹوپیائی معاشروں میں بھی ناول نگار کہیں نہ کہیں خاموش مزاحمت، چھوٹی چھوٹی بغاوتوں اور کمزور امید کے چراغوں کی جھلک ضرور دکھاتے ہیں، جو یہ ثابت کرتی ہے کہ انسانی روح کو مکمل طور پر کچلنا ناممکن ہے۔

تقابلی جائزہ: یوٹوپیائی امید بمقابلہ ڈسٹوپیائی اندیشے

جب ہم اردو ناول کے تناظر میں مستقبل کے سماجی ڈھانچے کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں، تو ہمیں دو واضح فکری دھارے نظر آتے ہیں:

- **مثالی دنیا کا تصور (یوٹوپیائی دھارا) :** کلاسیکی اور ابتدائی دور کے ناولوں میں ایک ایسے مثالی معاشرے کا خواب دیکھا گیا جہاں علم، حکمت اور سائنسی ایجادات انسان کی فلاح کا ذریعہ بنتی ہیں۔ وہاں طبقاتی تفریق مٹ جاتی ہے اور صنفی مساوات قائم ہوتی ہے، جیسا کہ "سلطانہ کا خواب" میں دکھایا گیا۔
- **تاریک دنیا کا منظر نامہ (ڈسٹوپیائی دھارا) :** جدید اور مابعد جدید دور کے ناول نگاروں کا سامنا چونکہ سرمایہ داری کی ہوس، ایٹمی خطرات، بیوروکریسی کے جبر اور اخلاقی انحطاط سے تھا، اس لیے ان کا تخیل مستقبل کے ایک انتہائی خوفناک اور ٹوٹ پھوٹ سے دوچار سماج کی تصویر کشی کرتا ہے، جیسا کہ "بھاگ بھری" اور "بیس سو گیارہ" میں دیکھا گیا۔

ناول نگاروں کا مقصد معاشرے میں محض مایوسی یا قنوطیت پھیلانا نہیں ہے، بلکہ وہ اس تخیلاتی کہانی کے ذریعے موجودہ دور کے حکمرانوں، سیاست دانوں اور عام انسانوں کو ایک تازیانہ مارتے ہیں تاکہ وہ وقت رہتے اپنے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-15

ماخذ تحقیقی مجلہ

فیصلوں پر نظر ثانی کر سکیں۔ ڈسٹوپیا دراصل ہمیں مستقبل کے ممکنہ خطرات سے آگاہ کر کے بہتر فیصلے کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

حاصلِ کلام

اردو ناول میں مستقبل کا جو سماجی ڈھانچہ ابھر کر سامنے آتا ہے، وہ ہمیں یہ اہم تمدنی سبق دیتا ہے کہ کسی بھی معاشرے کی حقیقی ترقی صرف مادی خوشحالی، فلک بوس عمارتوں، سائنسی ایجادات یا مشینی نظم و ضبط سے ممکن نہیں ہے۔ اگر انسان اپنے معاشرتی ڈھانچے میں اخلاقی بنیادوں، انسانی ہمدردی، سماجی انصاف، عدل اور فطرت کے توازن کو قائم رکھنے میں ناکام ہو جائے، تو مستقبل کا ہر سائنسی خواب دراصل ایک ہولناک ڈراؤنا خواب بن جائے گا۔

اردو کے مایہ ناز ناول نگاروں نے مستقبل بینی کے آئینے کا استعمال کر کے دراصل اپنے ہی عہد کی برائیوں اور کجیوں کا بے باک پوسٹ مارٹم کیا ہے۔ صفدر زیدی کے ہاں طبقاتی و صنفی جبر کا نوحہ ہو یا محمد خالد اختر کے ہاں مشینی زندگی کی سرد مہر تنہائی، یہ تمام بیانیے انسانیت کے تحفظ کی پکار ہیں۔ مستقبل کا سماجی ڈھانچہ کیسا ہو گا؟ اس کا دارومدار ہماری آج کی اخلاقی، تعلیمی اور سماجی ترجیحات پر ہے۔ اگر ہم نے حال میں موجود سماجی تضادات اور ناانصافیوں کو دور نہ کیا، تو ناول نگاروں کے قلم سے نکلے ہوئے یہ ڈسٹوپیائی خدشات کل ہماری سچی اور تلخ حقیقت بن سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ شوکت تھانوی، "مریخ کی سیر"، راہی کتاب گھر، دہلی، ۲۰۰۳، ص:۳

۲۔ علی عباس حسینی، " اردو ناول کی تاریخ اور تنقید"، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۷، ص:۱۵۴

۳۔ سعادت حسن منٹو، "گنجے فرشتے اور دوسرے افسانے"، لاہور بک سٹی، لاہور، ۲۰۲۱، ص:۱۲۰

۴۔ مشرف عالم ذوقی، "مرگ انبوہ"، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۲۰، ص:۱۳-۱۴

۵۔ صفدر زیدی، "بھاگ بھری"، عکس پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۸، ص:۲۹

۶۔ ایضاً ص:۲۱

۷۔ جارج آرول، (مترجم) ابو الفضل صدیقی، "۱۹۸۴"، بک کارنر، جہلم، ۲۰۲۰، ص:۱۶-۱۷

۸۔ صفدر زیدی، "بھاگ بھری"، عکس پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۸، ص:۲۵۵

۹۔ ایضاً ص:۱۵

۱۰۔ شوکت تھانوی، "مریخ کی سیر"، راہی کتاب گھر، دہلی، ۲۰۰۳، ص:۱۹-۲۰